



# ملتِ حنیف

## (حصہ دوم)

### مفتی منیب الرحمن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دینِ حنیف پر قائم رکھیں، (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اُس خلقت پر قائم رکھو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، (دینِ حق پر قائم رہتے ہوئے) اُس (اللہ کی طرف) رجوع کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، (الروم: 31-30)۔“ قرآن میں ملتِ حنیف کے ساتھ ساتھ دینِ حنیف کے کلمات بھی آئے ہیں۔

”اور انہیں فقط اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ تمام باطل ادیان سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی دین مستقیم ہے، (البینہ: 5)۔“ سو دینِ حنیف کے کچھ لازمی تقاضے بھی ہیں، جن کی کسوٹی پر کسی فرد کے دین کو پرکھا جائے گا، اُن میں چند ایک یہ ہیں:

(1): انسان اپنی خواہشاتِ نفس کا اسیر بن کر نہ رہے کہ حلال و حرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کو نظر انداز کر کے اور پس پشت ڈال کر اتباعِ نفس کرے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے (الف): ”(اے رسول!) کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اُسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے اور (اُس کے کرتوتوں کی پاداش میں) اُس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے بعد اُسے کون ہدایت دے گا، سو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے، (الجماعہ: 23)۔“ (ب): ”پس اگر یہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں، تو جان لیجیے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے، (القصص: 50)۔“ اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کے برعکس خواہشاتِ نفس کی اتباعِ ایمان کی وہ کسوٹی ہے، جس سے ہر صاحبِ ایمان کو صبح سے لے کر شام تک واسطہ پڑتا ہے اور ہر ایک اپنے اندر جھانک کر اپنا جائزہ لے سکتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول مکرم ﷺ اور ضرورت کے وقت اُس کی راہ میں جہاد کو کائنات کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب جاننا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”(اے رسول!) کہہ دیجیے: اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہارے کمائے ہوئے اموال اور تمہاری تجارت جس کے گھائے میں جانے کا تمہیں کھکا لگا

رہتا ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات (یہ سب چیزیں مل کر بھی) تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، (التوبہ: 24)۔“

اس آیت میں ایک انسان کے اُن تمام متعلقات (Belongings) کا ذکر ہے، جن کی طرف انسان کا دل و دماغ کھینچا جاتا ہے اور جن کی محبت سے مجبور ہو کر انسان بعض اوقات حلال و حرام کی حدود کو بھی پار کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی محبت کی نفی نہیں فرمائی، کیونکہ اپنے اپنے درجے میں ان سب کی محبت کا جواز موجود ہے اور انسان کی فطرت کا تقاضا بھی ہے۔ مگر جب ان سب چیزوں کی محبت اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے مقابل آجائے، تو محبوب ترین (Most beloved) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی ذوات اقدس اور اللہ کی راہ میں جہاد ہونا چاہیے، اگر یہ نہیں ہے تو ایمان کا دعویٰ محل نظر ہے۔ اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ان کلمات میں بیان فرمایا ہے: ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ مجھے اپنے والد، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے، (صحیح البخاری: 15)۔“ راوی بیان کرتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ عمر بن خطاب کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا و قتیقہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے، حضرت عمر نے عرض کی: (یا رسول اللہ!) اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! اب ٹھیک ہے، (مسند احمد: 18961)۔“ لیکن محض زبان سے محبت کا دعویٰ کافی نہیں ہوتا، امتحان اور آزمائش کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے، تب جا کر انسان دعوائے ایمان میں سرخرو ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی امتحان کے مرحلے سے گزر کر سرخرو ہوئے۔

اسلام میں مشکل صورتِ حال سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں: ایک کو عزیمت کہتے ہیں کہ انسان جان قربان کر دے لیکن کلمہ کفر زبان پر نہ لائے، یہ اولوالعزم اور عظیم المرتبت انسانوں کا شعار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نرود کے موقع پر اسی عزیمت کا پیکر بنے۔ دوسری صورت رخصت کی ہے، یہ اُن اہل ایمان کے لیے ہے جو اعلیٰ درجے کی عزیمت کے حامل نہ ہوں، مگر اُن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو، تو انہیں برسبیلِ تزلّ جان بچانے کی رخصت دی گئی ہے۔ سورہ النحل آیت 106 تا 109 میں دونوں صورتیں بیان کر دی گئی ہیں اور اُن پر جو حکم مرتب ہوتا ہے، وہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ صحابہ کرام میں اہل عزیمت کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں حضرات بلال، یاسر، سمیہ، جناب بن ارت، عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اہل رخصت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے، جن کے والدین کریمین (یاسر و سمیہ رضی اللہ عنہما) کو انتہائی اذیتیں پہنچا کر ظلماً شہید کر دیا گیا۔ ایک روایت کی رُو سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو مخالف سمت میں دو اونٹوں سے باندھ کر دلوخت کر دیا گیا اور اُن کی شرمگاہ میں تیر مارا گیا۔ اپنے والدین کا انجام دیکھ کر حضرت عمار بہت ہار گئے اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں نامناسب کلمہ کہہ کر اپنی جان بچائی اور پھر روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے آنسو پونچھے



اور دریافت کیا: تمہارے دل کی کیفیت کیا ہے؟، انہوں نے جواب دیا: دل میں ایمان راسخ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آئندہ بھی تمہیں ایسی مشکل صورت پیش آئے تو اسی طرح اپنی جان بچانا، پھر آپ ﷺ نے اُن کے ایمان کی ثابت قدمی کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا: ”تمہارے وجود چوٹی کے بال سے لے کر پاؤں تک ایمان سے معمور ہے اور ایمان اُن کے خون، گوشت اور رگ و پے میں رچ بس چکا ہے۔“

اہل عزیمت میں ایک عظیم مثال حضرت عبداللہ بن حذافہ کی ہے: انہیں شام کے نصرا نیوں نے قید کر کے قیصر روم کے دربار میں پیش کیا۔ قیصر نے کہا: ”نصرانی مذہب قبول کرلو، میں انعام کے طور پر اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنی بادشاہت میں تمہیں شریک کروں گا۔“ حضرت عبداللہ بن حذافہ نے جواب دیا: ”جو دولت و سلطنت تمہاری ملک میں ہے اور اس کے علاوہ جو پورے عالم عرب میں ہے، اگر یہ سب مجھے دے دی جائیں، تب بھی میں ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی دین محمد سے رجوع نہیں کروں گا۔“ قیصر نے کہا: ”پھر میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔“ انہوں نے جواب دیا: ”جو تمہاری مرضی میں آئے کرو۔“ قیصر نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اسے سولی پر لٹکا دو اور اس کے ہاتھ پاؤں کے قریب تیر اندازی کرو، اس دوران وہ انہیں عیسائیت کی دعوت دیتے رہے اور یہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ پھر حضرت عبداللہ کو سولی سے اتارا گیا اور ایک دیگ میں تانبے کو پگھلا کر جوش دیا گیا، پھر مسلمان قیدیوں کو ایک ایک کر کے اُس میں ڈالا جاتا، اُن کا گوشت جل جاتا اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا۔ پھر انہیں دیگ میں پھینکنے کے لیے ایک چرخی (Pulley, Bobbin) میں رکھا گیا، تو آپ رونے لگے، اس پر قیصر کو امید پیدا ہوئی کہ اب یہ گھبرا کر عیسائیت قبول کر لیں گے، سو اُس نے دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ نے کہا: ”میں تو اس لیے رورہا ہوں کہ یہ صرف ایک جان ہے، میری تمنا تو یہ تھی کہ میرے وجود کے ہر روئیں کے برابر میری جانیں ہوتیں اور میں انہیں یکے بعد دیگرے اللہ کی راہ میں قربان کیے چلا جاتا۔ ایک روایت میں ہے: انہیں جیل میں ڈال دیا گیا اور ایک عرصے تک کھانا پینا بند کر دیا گیا، پھر قید سے نکال کر اُن کے سامنے شراب اور خنزیر کا گوشت رکھ دیا گیا، انہوں نے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ قیصر نے بلا کر پوچھا: تم نے ان چیزوں سے اپنی جان بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟، انہوں نے جواب دیا: اگرچہ جان بچانے کے لیے ہماری شریعت میں بقائے حیات کی حد تک ان حرام چیزوں سے استفادہ جائز ہے، لیکن میں ایسا کر کے تمہیں خوشی کا موقع نہیں دوں گا۔ قیصر نے کہا: میری پیشانی پر بوسادو، میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: میں اس شرط پر تمہاری پیشانی کو بوسادوں گا کہ تم میرے تمام ساتھی قیدیوں کو رہا کر دو، قیصر نے کہا: یہ شرط منظور ہے، پھر حضرت عبداللہ نے اس کی پیشانی کو بوسادیا اور اپنے تمام ساتھی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب وہ لوٹ کر امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کے پاس گئے اور انہیں سارا ماجرا سنایا، تو حضرت عمر نے کہا: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کی پیشانی کو بوسادے اور میں اس کی ابتدا کرتا ہوں، وہ اٹھے اور اُن کی پیشانی کو بوسادیا، رضی اللہ عنہم: خدا رحمت کند اس عاشقان پاک طینت را

فیض احمد فیض نے کہا تھا:

جس ہج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے یہ جان تو آتی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں